⊙ افشین شوکت

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

⊙⊙ ڈاکٹر صدف نقوی

صدر شعبہ اُردو، گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی، فیصل آباد

رومیؒ اور اقبالؒ کا تصورِ عشق و عقل (تلمیحات کے تناظر میں)

Abstract:

Rumi and Iqbal have much similarity of thought. Both are great poets and their favourite field is passion and poetry through which both have enlightened the topics with their brightening. The poetry of both of them contains deep amplitude. In his famous poem about "Qurtaba", Iqbal has followed Rumi completely while explaining passion. No scholar or poet has been impressed by Rumi, as much as Iqbal has been impressed. In his book Bal-e-Jibreel, Iqbal has mentioned Rumi as a spiral teacher and himself Hindi descriple. Iqbal considers thoughts of Rumi as constructive material for the strength and existence of nations. A strong spiritual connection is found in both of them so much so that in "Israr-e-khudi" and "Armagan-e-Hijaz" Iqbal considers Rumi as spiritual guide. Imagination about passion and Intellect is absolutely common and Iqbal considers Intellect as defective and undependable.

Keywords:

Rumi, Iqbal, Love, Intellect, Common, Spiritual, Teacher

رومیؒ اور اقبالؒ کے کلام میں فکری مماثلت موجود ہے۔ اقبال ہمیشہ مولانا روم کو اپنی شاعری میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں:

''علامہ محمد اقبال نے اپنی شاعری میں مولانا جلال الدین رومی کو مختلف ناموں جیسے 'پیرِ روم'، 'پیرِ حق

سرشت'، 'پیرِ مے فروش'، 'پیرِ عجم'، 'مولانا جلال' اور 'مرشدِ روم' سے یاد کیا ہے۔ جس سے ان پیر و مرید کی قربت اور وابستگی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے جبکہ لفظ "رومی" ان کے کلام میں ۵۴ مرتبہ آیا ہے۔''(۱)

اقبال نے اپنے شعور، بیداری، مستی اور سوز درون کو فیض پیرِ روم کے مرہون منت گردانا ہے۔ انہوں نے اپنے وجود کے اکسیر اور تعمیر و تعبیر جان کے سرمائے کو مولانا کے کسب و کمال کا مرہون منت گردانتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ ان کے بحروں کی موج و مستی مولانا کے صہبا، اور ان کی زندگی مولائے روم کے سانسوں کی گرمی کے مرہون منت ہے۔ ان اشعار میں ان کا عشق رومی سے تلمیحات کی زبان میں ملاحظہ ہو:

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروان عشق و مستی را امیر
منزلش برتر ز ماہ و آفتاب
خیمہ را از کہکشان سازد طناب
نور قرآن در میان سینہ اش
جامِ جم شرمندہ از آئینہ اش (۲)

بلا شک و تردید اگر مولانا جلال الدین رومی کے افکار کی آبیاری نہ ہوتی علامہ محمد اقبال اس طرح بلند اقبال نہ ہوتے۔ وہ شاعر بھی ہوتے اور مفکر بھی، دانشور بھی اور مصلح و مبارز بھی لیکن یہ کہنے کے قابل نہ ہوتے۔ ان اشعار میں نے نواز بذاتِ خود تلمیحات کا پیرایہ رکھتے ہیں۔ اقبال فرماتے ہیں:

از نی آن نی نواز پاکزاد
باز شوری در نہاد من فتاد

اور نہ یہ دعوی کرنے کے اہل ہوتے کہ:

چو رومی در حرم دادم اذانِ من
ازو آموختم اسرار جانِ من
بہ دور فتنۂ عصر کہن، او
بہ دور فتنۂ عصر روان من (۳)

یعنی اقبال خود اپنے عصر کا رومی ہونے کا دعوی کرتے ہیں اور یہ کچھ غلط بھی نہیں ہے۔ ان دونوں شعرا کے مابین بڑی فکری، علمی اور انسانی مماثلتیں ہیں۔ شاعری کے موضوعات اور اسالیب شعری تک۔

''رومی اور اقبال میں بہت مماثلت پائی جاتی ہے، دونوں اعلیٰ درجہ کے شاعر ہیں، دونوں اسلامی شاعر ہیں، دونوں کی شاعری حکیمانہ ہے، دونوں معقولات کے سمندر کے تیراک ہونے کے باوجود وجدانات کو معقولات پر مرجح سمجھتے ہیں، دونوں خودی کی نفی کے بجائے خودی کی تقویت

چاہتے ہیں، دونوں کے نزدیک حقیقی خودی اور حقیقی بے خودی میں کوئی تضاد نہیں بلکہ ایک کے بغیر دوسری مہمل اور بے نتیجہ ہے۔ دونوں کا تخیل تقدیر کے متعلق عام مسلمہ تخیل سے الگ ہے، دونوں کا خیال ہے کہ تقدیر میں جزئی طور پر اعمال افراد پہلے ہی سے خدا کی طرف متعین اور مقدر نہیں بلکہ تقدیر آئین حیات کا نام ہے، دونوں ارتقائی مفکر ہیں نہ صرف انسان بلکہ تمام موجودات ادنیٰ سے اعلیٰ منازل کی طرف عروج کر رہے ہیں۔ دونوں جدو جہد کو زندگی اور خفتگی کو موت سمجھتے ہیں۔ اس ازلی اور طبعی مناسبت کی وجہ سے اقبال اپنے آپ کو عارف رومی کا مرید سمجھتا ہے، یہ مرید معمولی تقلیدی مرید نہیں کمال عقیدت کے ساتھ پیر کے رنگ میں رنگا ہوا مرید ہے۔'' **(۴)**

رومی و اقبال نے عشق اور عقل کے تصور کو بطور تلمیح کے بھی استعمال کیا ہے۔ رومی عشق کے متعلق فرماتے ہیں:

در مذہب عاشقان قراری دگر است
وین بادۂ ناب راخماری دگر است
ہر علم کہ در مدرسہ حاصل کردیم
کاری دگر است وعشق کاری دگر است **(۵)**

اقبال بھی رومی کی طرح عشق کو انسان کا مقصد حیات جانتے ہیں لیکن یہ عشق ذات الٰہی سے ہونا چاہیے۔ ان کے نزدیک جب کوئی شخص، عشق الٰہی میں کامل ہو جاتا ہے تو وہ نیابت الٰہی کے مرتبہ پر پہنچتا ہے۔ ایسے شخص کی ایک نگاہ تقدیر کو بدل سکتی ہے۔ اس عشق کی بدولت ناکشودہ راہیں کھلنے لگتی ہیں۔ اقبال اور رومی کے نزدیک عشق، ایمان ہی سے پیدا ہوتا ہے اور ایمان کا پہلا جزء اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ اس کے بعد اتباع رسول اور ان کی تقلید کرنا عشق ہے۔ جس دل میں عشقِ خدا اور رسول ﷺ نہ ہو اس دل میں ایمان نہیں، اس لیے اقبال عشق اور ایمان کو مترادف سمجھتے ہیں:

زندگی را شرع و آئین است عشق
اصل تہذیب است دین، وین است عشق
دین نگردد پختہ بے آداب عشق
دین بگیر از صحبت ارباب عشق
ظاہر او سوزناک و آتشیں
باطن او نور رب العالمین **(۶)**

ان کے خیال میں عشق، دین کی روح ہے اگر یہ عشق نہ ہو تو دین اور مذہب صرف تقلید اور روایت رہ جاتی ہے جس سے انسان کو کچھ فیض نہیں پہنچتا اس لیے رومی خود ہمیشہ اپنے اندر اوصاف الٰہی پیدا کرنے میں سرگرم رہتے تھے۔ ان کے خیال میں عشق اور معرفت، لازم و ملزوم ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ رومی حضرت موسیٰؑ کو وہ طور پر جانے اور اللہ تعالیٰ سے جلوہ دکھانے کی قرآنی آیت:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ

انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ(الأعراف:۱۴۳)

کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جسم خاک از عشق برافلاک شد
کوہ در رقص آمد وچالاک شد (۷)

اس کشش اور جذبہ عشق کی بدولت کائنات میں ارتقاء ہوتا ہے اور اس ارتقاء کے نتیجے میں رجعت الی اللہ ہے۔جس شخص پر عشق الٰہی کے ذریعے سے اسرار وجود فاش ہوجائے وہ خدا کی حکمتوں سے واقف ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کا عاشق بن جائے گا۔یہی معرفت آمیز عشق ہے جسے رومی کیمیائے سعادت جانتے ہیں اور اس کو روحانی بیماریوں کا علاج بتاتے ہیں۔اسی نے نامہ میں رومی عشق کی عظمت پر دلیل لاتے ہوئے یونان کے دو حکیموں کا یوں ذکر فرماتے ہیں:

ہر کرا جامہ زعشقی چاک شد
او ز حرص و عیب کُلّی پاک شد
شاد باش اے عشق خوش سودائے ما
اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت وناموس ما
اے تو افلاطون وجالینوس ما (۸)

''اقبال نے عشق کے مفہوم میں بڑی گہرائی اور بڑی وسعت پیدا کر دی ہے اور اس بارے میں وہ خاص طور پر عارف رومی کا شاگرد رشید ہے۔اقبال نے حکمت وعرفان کے بیش بہا جواہر اسی مرشد سے حاصل کیے ہیں لیکن عشق کے بارے میں وہ خاص طور پر رومی کا ہم آہنگ ہے۔''(۹)

اقبال کا پیغام عشق یہ ہے کہ انسان اپنے دل میں شدت کی آرزو و یقین پیدا کرے۔جب یہ ایمان و یقین پیدا ہوجائے تو تسخیر کائنات کا مرحلہ آسان ہوگا۔اس قوت کو حاصل کرنے کے لئے عشق کی ضرورت ہے۔جب دل عشق سے بہرہ مند ہو تو زندگی کی ساری پریشانیاں دور ہوجاتی ہیں۔اقبال اپنی مشہور نظم 'مسجد قرطبہ' میں عشق کی صفت تلمیحات کی روشنی میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

مردخدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات،موت ہے اس پر حرام
تند وسبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود ایک سیل ہے،سیل کو لیتا ہے تھام
عشق دمِ جبرئیل،عشق دلِ مصطفیٰ

عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام (۱۰)

اسی عشق ہی نے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں کودنے کا حوصلہ عطا کیا:

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی (۱۱)

عشق کائنات کو ہم رنگی بخشتا ہے، خاک و افلاک سب عشق سے مالا مال ہیں عشق ہی ساری کائنات کی رونق ہے اور حیات انسانی کی ساری ہنگامہ آرائیاں اسی کی رہین منت ہیں، ارتقاء کی منزلیں طے کرنے میں عشق کے ذریعہ ہی وصل الٰہی تک پہنچنا ممکن ہوگا۔ رومی اور اقبال کے نزدیک آدم فوراً واصل باللہ نہیں ہوئے بلکہ عشق کی وجہ سے اس پر ایک طویل مہجوری و فراق طاری ہوگئی۔ رومی کہتے ہیں:

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرح درد اشتیاق
ہر کسی کو دور ماند از اصل خویش
باز جوید روزگار وصل خویش (۱۲)

اقبال کا اظہار کچھ اور ہی بے باکانہ لہجے میں ہے وہ فرماتے ہیں:

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں
کار جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر (۱۳)

رومی کہتے ہیں عشق بغیر پر کے آسمانوں تک پرواز کرتا ہے۔ اقبال کے یوں بھی عشق ایک جست میں زمین و آسمان کا فاصلہ طے کر لیتا ہے:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں (۱۴)

اقبال کے ہاں عشق کا ایک وسیع تر تصور بھی موجود ہے جس میں سوز و ساز رومی اور حیرت فارابی بھی شامل ہے کیونکہ یہ سب عشق ہی کے مختلف روپ ہیں:

عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیز د
از تاب و تب رومی تا حیرت فارابی (۱۵)

رومی اور اقبال دونوں اس عشق کو کائنات کی روح رواں سمجھتے ہیں جس سے اسرار حیات آشکار ہوتے ہیں۔ رومی معراج کی تلمیح سے استفادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ہر نفس آواز عشق می رسد از چپ و راست

ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست (۱۶)

عقل و علم اور عشق کا تقابل اقبال کا خاص مضمون ہے۔ یہ مضمون صدیوں سے ادب میں حکیمانہ، صوفیانہ اور متصوفانہ شاعری کا ایک دلچسپ موضوع رہا ہے اور اقبال سے پہلے لوگوں نے اس مسئلے میں بڑی نکتہ آفرینیاں کی ہیں لیکن اس کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ پہلوں نے جو کچھ کہا اس کا بہترین جوہر اور خلاصہ بھی اقبال کے کلام میں موجود ہے۔ اقبال کے ہاں علم کا مضمون بھی اکثر عشق کی توصیف کے ساتھ ملتا ہے۔ وہ علم (عقل) و عشق کا موازنہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب
عشق کی گرمی سے ہے معرکہ کائنات
علم مقام صفات، عشق تما شائے ذات
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات
علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہاں جواب
عشق کے ہیں معجزات سلطنت و فقر و دین
عشق کے ادنی غلام صاحب تاج و نگین
عشق مکان و مکیں، عشق زمان و زمین
عشق سراپا یقیں اور یقیں فتح باب
عشق پہ بجلی حلال عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب (۱۷)

مولانا رومی کے ہاں ''زیرکی بفروش و حیرانی بخر'' کا فلسفہ کارفرما نظر آتا ہے۔ ان کے نزدیک عقل کا مقام عشق کے قدموں میں ہے۔ بلکہ جہاں عشق کی حکمت کارفرما ہو وہاں عقل نامحرم ہو جاتا ہے رومی فرماتے ہیں:

گرفتم گوش عقل و گفتم ای عقل برون رو کز تو وارستم من امروز
بشوی ای عقل دست خویش از من کہ در مجنون پیوستم من امروز (۱۸)

بلکہ مولانا تو روز از کے جامِ الست کو بھی عشق ہی کا مظہر جانتے ہیں:

عاشقان مستند و ما دیوانھایم
عارفان شمعند و ما پروانھایم
ما ز عقل خویشتن بیگانھایم
لاجرم دردی کش میخانھایم

در ازل دادند چون جام الست
تا ابد ما مست آن پیمانہایم (۱۹)

علامہ کے ہاں عقل کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے اسباب و جاہ و جلال کو بلکہ ہستی کو آتش عشق کی نذر کرنے کے بعد ہی گرہ کھل سکتی ہیں اور مقام وصل ہو فراق کا عالم امتزاج سامنے آتا ہے۔ "محاورہ بین عقل و عشق" ملاحظہ ہو جہاں تلمیحات کی زبان میں اقبال فرماتے ہیں:

شمع خود را ہمچو رومی بر فروز
روم را در آتش تبریز سوز
ہست معشوقی نہان اندر دلت
چشم اگر داری بیا بنمایمت
عاشقان او ز خوبان خوب تر
خوشتر و زیباتر و محبوب تر
دل ز عشق او توانا می شود
خاک ہمدوش ثریا می شود
خاک نجد از فیض او چالاک شد
آمد اندر وجد و بر افلاک شد (۲۰)

رومی کہتے ہیں جب عقل جزئی، عقل کلی کے تابع ہو جائے تو ایمان پیدا ہوتا ہے۔ اس ایمان کے نتیجے میں عشق پیدا ہوتا ہے۔ عشق سے علم و عمل میں قوت اور وسعت پیدا ہوتی ہے نتیجتاً انسان قرب الٰہی کے مقامات تک پہنچ جاتا ہے۔ عقل جزئی اور عقل کلی کے تفاوت کو رومی نے اس طرح واضح کیا ہے:

این تفاوت عقلہا رانیک داں
در مراتب از زمیں تا آسماں
ہست عقلے ہمچو قرص آفتاب
ہست عقلے کمتر از زہرہ و شہاب
ہست عقلے چون چراغ سرخوشی
عقلہاے خلق عکس عقل او
ہست عقلے چوں ستارہ آتشی
عقل او مشک است وعقل خلق بو
مظہر حق ست ذات پاک او
زو بجو حق را و از دیگر مجو (۲۱)

مولانا روم نے روایتی عقل وعشق کے تصور سے انحراف کر کے اس میں نئی وسعت پیدا کی۔ رومی سے پہلے یونانی فلسفہ کے زیر اثر مسلمان مفکروں نے عقل وعمل کو غیر معمولی اہمیت دے دی تھی۔ ان مفکروں میں فارابی، یونانی فلسفہ سے بہت متاثر تھے اور انہوں نے فلسفیانہ اور عقلی مباحث کو وسعت بخشی۔ طوسی نے ان فلسفیانہ نظریات سے تصوف میں نئی راہیں پیدا کر کے اس کو رواج دیا۔ ابن سینا بھی ارسطو کے مفسر کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ اسلامی حکماء اور مفکرین جو یونانی فلسفہ سے متاثر تھے اس بات کو سمجھ نہ سکے کہ عقل وفکر اس لیے ناقص اور نارسا ہے کہ مکانی تصورات میں محصور ہے اور ذات شخص کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس یونانی فلسفہ کے خلاف سب سے پہلے امام غزالی نے آواز بلند کی۔ انہوں نے تصوف کو دین کے نظام میں داخل کر کے مذہب کی وجدانی بنیاد کو مستحکم کیا۔ امام غزالی نے وجدان وعشق کو ادراک حقیقت کا ذریعہ قرار دیا اور اپنے نظریے سے عالم اسلام کو بہت متاثر کیا۔ اس کے بعد صوفی مفکروں میں جنہوں نے عشق الٰہی کی تعلیم دی بایزید بسطامی، شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا جلال الدین رومی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان مفکروں نے عقل کے مقابلے میں عشق پر زور دیا اور اس بات پر اصرار کیا کہ عشق الٰہی کے ذریعہ سے منزل مقصود کا پتا چل سکتا ہے۔ وہ وصل کو مقصد حیات سمجھتے تھے اور ادراک حقیقت کو عقل واستدلال سے نہیں بلکہ روحانی تاثرات اور عشق سے امکان پذیر جانتے تھے۔ مولانا روم خود ایک صوفی تھے اور تصوف کے فلسفہ سے انہیں خاص تعلق تھا۔ انہوں نے عقل پرستی کے خلاف احتجاج کیا۔ وہ عقل وخرد کے منفی پہلوؤں پر بار بار اظہار خیال کر کے کہتے تھے کہ عقل ایک حد تک تو ہماری رہنمائی کر سکتی ہے مگر دقیق ترین حقائق کو سمجھنے کے لئے عشق کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس جزئی عقل کے سامنے اقبال بھی جا بجا عشق کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی اہمیت کو بیان کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک عقل زندگی کے تحفظ کے لیے ایک آلہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن چونکہ اس کا ربط حواس خمسہ سے ہوتا ہے لہٰذا اس کا میدان عمل وسیع نہیں۔ وہ اپنی شاعری میں عشق کی اہمیت کو جا بجا بیان کر کے عقل کے ساتھ اس کا موازنہ بھی کرتے ہیں تا کہ عقل کی کمزوری نمایاں ہو سکے۔ ایک منظوم مکالمہ میں اقبال، عقل اور عشق کا موازنہ اس طرح کرتے ہیں:

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا
بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
ہوں زمیں پر، گزر فلک پہ مرا
دیکھ تو کس قدر رساہوں میں
کام دنیا میں رہبری ہے مرا
مثل خضر خجستہ پا ہوں میں
ہوں مفسر کتاب ہستی کی
مظہر شان کبریا ہوں میں
بوند اک خون کی ہے تو لیکن
غیرت لعل بے بہا ہوں میں
دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے
پر مجھے بھی تو دیکھ، کیا ہو ں میں

راز ہستی کو تو سمجھتی ہے
اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں
ہے تجھے واسطہ مظاہر سے
اور باطن سے آشنا ہوں میں
علم تجھ سے تو معرفت مجھ سے
تو خداجو خدانما ہوں میں
علم کی انتہا ہے بے تابی
شمع تو محفل صداقت کی
اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
حسن کی بزم کا دیا ہوں میں
تو زمان ومکان سے رشتہ بپا
طائر سدرہ آشنا ہوں میں
کس بلندی پہ ہے مقام مرا
عرش رب الجلیل کا ہوں میں (۲۲)

مولانا رومی شمس تبریزی کی ملاقات سے پہلے رومی عقل کی زبان استعمال کرتے تھے اور دینی مسائل پر نثر میں اظہار خیال کرتے تھے۔ فیہ مافیہ میں فلسفیانہ مسائل پر ان کی دقیق اور منطقی بحثیں ملتی ہیں۔ شمس کی آمد کے ساتھ ہی رومی عقلی ومنطقی مسائل سے قطع تعلق کر کے اپنے احساسات کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ ان احساسات نے انہیں عشق وآلام عشق سے روشناس کیا اور ان کی معاشرتی موافقت کا سارا سلسلہ درہم برہم کر دیا۔ جب رومی کے احساسات کا اظہار ہوا تو وہ نثر میں نہیں بلکہ شاعری میں تھا اور اس میں انہیں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ حیرت انگیز تھی۔

رومی عقل کی کوتاہی اور نارسائی پر تنقید کر کے کہتے تھے کہ عقل ہمیشہ حواس سے برسر پیکار رہتی ہے۔ وہ نتائج اور عواقب کا اندازہ لگاتی ہے۔ عقل ناچیز زمان ومکان سے آگے نہیں جاسکتی کیونکہ وہ حواس کے اندر محصور ہے۔ رومی نے مثنوی میں 'موسیٰ اور چرواہا' کی حکایت میں اس بات کو بڑی خوبی سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس حکایت میں موسیٰ نے ایک سادہ لوح چرواہے کو اللہ تعالیٰ سے اپنے دل کی باتیں کرتے ہوئے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اے میرے خدا تم کہاں ہو؟ اگر میرے سامنے ہوتے تو میں تمہاری خدمت کرتا، تمہارے جوتے سیتا، تمہاری کنگھی کرتا، تیرے کپڑے دھوتا، جوئیں مارتا، تیرے لیے دودھ لاتا، تیرے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیتا، آرام کے وقت تمہارے کمرے کو صاف کرتا۔ چرواہا کے اس ناپسندیدہ انداز پر موسیٰ غضب ناک ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ تمہیں ایسے کفر آمیز باتوں کی مجال کیسے ہوئی؟

دید موسیٰ یک شبانی را براہ
کو ہمی گفت ای کریم و ای الہ۔۔۔
گفت موسیٰ ہای خیرہ سر شدی
خود مسلمان ناشدہ کافر شدی
این چہ ژاژست و این چہ کفرست وفشار

پنبہ ای اندر دہان خود فشار (۲۳)

لیکن موسیٰ کے اس تادیب کرنے پر خدا نے ان کو سرزنش کی:

وحی آمد سوے موسیٰ از خدا
بندۂ مارا ز ما کردی جدا
تو برای وصل کردن آمدی
نی برای فصل کردن آمدی۔۔۔
ما برون را ننگریم وقال را
ما درون را بنگریم وحال را (۲۴)

یہ عقل جزئی وہم اور شک میں ڈوبی ہوئی ہے، وہ بدگمانی وخودغرضی کا شکار ہے، وہ حقائق کا تجزیہ وتشریح کر سکتی ہے لیکن زندگی کی گوناگوں کیفیتوں کو پوری طرح سمجھنے سے عاجز ہے۔ رومی ایک شعر میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ عقل اگر ترقی کر گئی تو خود لوح محفوظ بن جائے گی اور نارسا نہیں رہے گی:

منبع حکمت شود حکمت طلب
فارغ آید او ز تحصیل و سبب
لوح حافظ لوح محفوظے شود
عقل او از روح محظوظے شود (۲۵)

رومی عشق کے مذہب کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ اپنے اشعار میں ہر جگہ عقل وعشق کا موازنہ کرتے ہیں۔ انہوں نے اس بے لگام عقل کے مقابلے میں عشق کی دعوت دی ہے۔ وہ عشق کو زندگی کی قوت محرکہ سمجھتے تھے جس کے ذریعہ زندگی لذت ارتقاء سے بہرہ مند ہوتی ہے۔ ان کے خیال میں اگر صرف استدلال اور منطق سے ہی دین کے اسرار ورموز کو سمجھنا ممکن ہوتا تو مشہور فلسفی فخر الدین رازی، دین کے محرم اسرار ہوتے:

اندریں بحث ار خرد رہ بیں بدے
فخر رازی راز دار دین بدے (۲۶)

رومی اگرچہ ہر جگہ عشق وعقل کی جنگ میں عشق کو ترجیح دیتے ہیں مگر وہ پوری طرح عقل کو مسترد نہیں کرتے اور اس کی اہمیت کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ رومی کے نزدیک دین ومذہب کا جوہر یہی دو اقدار یعنی عقل وعشق کا باہمی تعلق ہے، لیکن اس میں وہی علم قابل اعتنا ہے جو دل کے تاروں کو مرتعش کرتا ہے اور باطنی اسرار وحقائق کے ادراک کا باعث بنتا ہے۔ وہ عشق وعقل کا باہمی رابطہ اس قسم کا جانتے ہیں کہ عشق الٰہی، دین کا جوہر ہے باقی سب فروع ہیں۔ اگر عقل جوہر عشق سے ہم آہنگ ہو تو وہ نور خداوندی ہے اور اگر بے قابو ہو جائے تو ابلیس کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ اقبال رومی کے اس نظریے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "جاوید نامہ" میں فرماتا ہے:

ہر کسی از رمز عشق آگاہ نیست
ہر کسی شایان این درگاہ نیست
داند آن کو نیکبخت و محرم است

زیرکی ز ابلیس وعشق از آدم است (۲۷)

اقبال رومی کی طرح اس عقل جزئی سے نالاں ہیں۔ان کے خیال میں عقل دلیل تراشی کرتی ہے، مصلحت اندیش ہے، زندگی کے ہر شعبہ میں سارا فساد اس عقل جزئی کی وجہ سے ہے، اس سے رہرو کی آنکھیں روشن ہوسکتی ہیں لیکن باطن کے اسرار ورموز اس پر نہیں کھلتے:

خرد سے راہرو روشن بصر ہے
خرد کیا ہے چراغ رہ گزر ہے
درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا
چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے؟ (۲۸)

اقبال اپنے مرشد کی اس بات سے متفق ہیں کہ عقل کے ذریعے سے ادراک ذات ممکن نہیں وہ عقل کو کرم کتابی سے تشبیہ دے کر کہتے ہیں کہ تجھ پر افسوس ہے کہ تم حقیقت زندگی کی حکمت، کتابوں سے حاصل کرنا چاہتے ہو لیکن حیرت میں گرفتار ہو کر تمہیں اپنی نارسائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے:

شنیدم شمی در کتب خانہ من
بہ پروانہ می گفت کرم کتابی
باوراق سینا نشیمن گرفتم
بسے دیدم از نسخہ فاریابی
نفہمیدہ ام حکمت زندگی را
ہمان تیرہ روزم ز بے آفتابی
نکو گفت پروانہ نیم سوزی
کہ این نکتہ را در کتابے نیابی
تپش می کند زندہ تر زندگی را
تپش می دہد بال وپر زندگی را (۲۹)

اقبال یہ بھی فرماتے ہیں:

تازہ مرے ضمیر میں معرکہ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب (۳۰)

ایسا نہیں ہے کہ مولانا جلال الدین رومی اور اقبال عشق کے مقابلے عقل وعلم کے دشمن ہیں بلکہ ان کو جب عقل وعشق کے تقابل پر غور کرنے کا موقع ملا تو یہ محسوس ہوا کہ قوموں کی زندگی میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے عقل کے مقابلہ میں عشق کی زیادہ ضرورت ہے۔اگرچہ قوموں کی تعمیر کے لئے عقل وخرد ناگزیر ہے لیکن ایک مردہ اور مایوس قوم کو زندگی اور موت بخشنا صرف عشق کی بدولت ممکن ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شاہد چوہدری، زبان و ادب، قصا نامہ (شمس تبریزی و اقبال لاھوری) ، (سایت پژوھشگاہ علوم انسانی و مطالعات فرھنگی، ۱۳۷۸)، ص ۴۵

۲۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، (لاہور: اقبال اکادمی، ۲۰۱۹ء)، ص ۴۵۱

۳۔ ایضاً، ص ۹۵

۴۔ عبدالسلام ندوی، اقبال کامل، (اعظم گڑھ: مکتبہ معارف، ۱۹۶۴)، ص ۱۱۳

۵۔ جلال الدین رومی، دیوان شمس، ص ۳۱۳

۶۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص ۳۲۱

۷۔ جلال الدین رومی، مثنوی معنوی، (تہران: انتشارات دوستاں، دفتر اول، ۱۳۸۰)، مرتب: قوام الدین خرمشاھی، ص ۶۴

۸۔ ایضاً، ص ۱۷

۹۔ خلیفہ عبدالحکیم، فکر اقبال، (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۴)، ص ۸۷۲

۱۰۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، (لاہور: اقبال اکادمی، اشاعت دوم ۱۹۹۴)، ص ۲۱۱

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۴۴

۱۲۔ مثنوی معنوی، ص ۱۶

۱۳۔ کلیات اقبال اردو، ص ۱۹۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۲۱

۱۵۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۳۴۴

۱۶۔ دیوان شمس، ص ۳۶۴

۱۷۔ کلیات اقبال اردو، ص ۳۵۶

۱۸۔ جلال الدین رومی، کلیات شمس، افزونفر بادی الزماں، (تہران: عامر کبیر، ۱۹۵۷)، ص ۵۸۱۱

۱۹۔ ایضا، ص ۱۰۵۴

۲۰۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۳۲۸

۲۱۔ مثنوی معنوی، ص ۵۳۳

۲۲۔ کلیات اقبال اردو، ص ۱۲۱

۲۳۔ مثنوی معنوی، دفتر دوم، ص ۳۷۸

۲۴۔ ایضاً، ص ۳۹۰

۲۵۔ ایضاً، دفتر اول، ص ۲۷۱

۲۶۔ ایضا، دفتر پنجم، ص ۸۶۶

۳۷۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۳۳۱

۲۸۔ کلیات اقبال اردو، ص ۲۱۹

۲۹۔ کلیات اقبال فارسی، ص ۳۰۸

۳۰۔ کلیات اقبال اردو، ص ۳۶۱